محمد جمیل احمد باروی

سکالر پی ایچ ڈی اردو، وفاقی اردو جامعہ، اسلام آباد

ڈاکٹر فہمیدہ تبسم

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، وفاقی اردو جامعہ، اسلام آباد

اردو ڈرامے کی روایت اور پی ٹی وی لاہور مرکز کا اردو ٹیلی ڈراما (فنی و فکری جائزہ)

Muhammad Jamil Ahmad Barvi
Scholar PhD Urdu, Federal Urdu University, Islamabad
Dr. Fehmida Tabassum
Assistant Professor, Department of Urdu, Federal Urdu University, Islamabad

Tradition of Urdu Drama and Tele Drama of PTV Center Lahore: A thought Provoking and Artistic Review

Drama has always been so powerful medium taht it had permeated every form of communication. Although with the passage of time and growth of civilization new form of narratives expression.e.g prose, essay, fiction, poetry etc emerged but could not surpass the supermacy of drama and dialogue.It was this power of the dramd which made it JJpart of psalms and scriptures. Lahore being thJe heart of Pakistan, presents a strong cultural and social influence, PTV Lahore center is honoured to present the very true picture of country's cultured hub. Urdu drama remains the hall mark of PTV Lahore center and has been the champion due to its quality production coupled with the depth of script and the level of direction.

Key Words: *Drama, Communication, Civilization, Culture, Production, Script, PTV Lahore.*

ڈرامے کا آغاز حضرت انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ انسان کو تمام مخلوقات سے اشرف بنایا گیا۔ اس امتیاز کا سب سے بڑا سبب حضرت انسان کی قوت گویائی ہے۔ زبان کی بدولت زندگی کی ساری رعنائیاں اور رونقیں ہیں۔ اظہار رائے کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہے۔ انسان نے اپنی بات چیت، گفتگو، نظم و نثر کی صورت میں ایک دوسرے تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اظہار رائے کے مختلف انداز اپنانے سے "ادب" وجود میں آیا۔ اسی ادب سے اور بے شمار اصناف بنتی گئیں۔

افسانوی ادب میں داستان، ناول، افسانہ اور ڈراما شامل ہیں۔ اس افسانوی ادب میں سب سے موثر ذریعہ کہانی (داستان، ناول، افسانہ) ثابت ہوئی۔ سب سے پہلے مافوق الفطرت کہانیاں ذریعہ اظہار بنیں۔ انسان کے شوق نے جب جدّت پکڑی تو داستان نے ناول کا روپ دھارا کیونکہ داستان میں حقیقت پسندی، تنوع، کشش، چاہت بہت کم ہوتی گئی۔ یہ تفریح کا ذریعہ تو ضرور تھیں لیکن وقت کا ضیاع بھی بن گئیں۔ داستانوں کے موضوعات صرف اور صرف جنات، پریاں، بادشاہ، شہزادے ہوتے تھے۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ ان میں حقیقت کی کمی ہے۔ زندگی کی صداقتوں سے دور ہے تو افسانوی ادب کی ایک اور صنف "ناول" وقت کا تقاضا بن گئی۔ ناول طویل کہانی ضرور ہے لیکن داستان سے کم۔ یہ ایک فرد کی مکمل داستان حیات ہے جو تحریری حالت میں بہت سارے کرداروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ناول کے مصنفین نے تقریباً ہر موضوع کو اپنایا، لیکن جب انسان کی مصروفیت نے اس سے بھی بے زار کر دیا تو لکھاری حضرات بہت مختصر کہانی، منظر عام پر لائے جو مختصر دورانیے میں پڑھی جاتی ہے اور مختصر کرداروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ مختصر کہانی انسانی زندگی کے ایک پہلو پر اظہار خیال کا خوب صورت انداز ہے جو اپنے اختصار، زبان کی سادگی، سلاست، انداز بیان اور عام فہم ہونے کی بدولت یہ مقبول عام ہوتی گئی، لیکن داستان، ناول اور افسانے کے آغاز وارتقا سے بھی بہت پہلے "ڈراما" وجود میں آ چکا تھا۔ اس کے مختلف انداز تھے۔ نقالی کو ڈراما کہا گیا، رقص و سرود کو ڈراما کہا گیا۔ گیت، سنگیت کو ڈراما کہا گیا۔ یہ اپنی صورتیں بدلتا گیا، انداز اور پیشکش بدلتا گیا اور آج جدید ترین ڈرامے کی صورت میں ڈھل چکا ہے۔ یہ سٹیج، کہانی اور کردار کی لازم مثلث ہے۔ کوئی ایک عنصر بھی کم ہو تو ڈرامے کی تعریف مکمل نہیں ہوتی۔

اردو ڈرامے کی ابتدا کب ہوئی اس پر کئی آرا ہیں۔ بعض ناقدین نے اردو سنسکرت اردو ڈرامے کو اردو ڈرامے کی وجہ قرار دیا۔ بعض نے کہا کہ اردو ڈرامے پر مغربی اثرات ہیں اور کچھ محققین کے مطابق یونانی ڈرامے نے ہندوستانی ڈرامے پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم قریشی کے بقول:

"حقیقت یہ ہے کہ اردو ڈراما ایک خودرو پوداہے اس کی بنیادیں نہ سنسکرت ڈرامے کے کھنڈرات پر تعمیر ہوئیں اور نہ اس پر یورپی اثرات ہیں۔ اردو ڈراما یہاں کی معاشرت اور سماجی روایات کو ظاہر کرتا ہے جن کے بطن سے ان کی نمو اور جن کے خون سے اس کی آب یاری ہوئی ہے۔"(۱)

برصغیر میں مسلم حکومت کا زوال اردو ڈرامے کے عروج کی بنیاد بنا۔ جب اردو ڈرامے کا آغاز ہوا تو مسلم معاشرہ اپنے آخری سانس لے رہا تھا۔ انگریزوں کی آمد کے بعد انگریزی ڈراموں کے اردو تراجم ہونے لگے۔ فورٹ ولیم کالج کی ٹیم اس کام میں پیش پیش تھی۔ جان گلکرسٹ نے اپنی نگرانی میں شیکسپیئر کے ڈراموں کا ترجمہ کرایا۔ کاظم علی جوان سے فرمائش کی گئی کہ کالی داس کے سنسکرت ڈرامے "شکنتلا" کا اردو ترجمہ کرے لیکن ڈاکٹر اسلم قریشی کاظم علی جوان کے اردو ترجمے "شکنتلا" کو ڈراما ماننے سے انکاری ہیں وہ اسے مختصر داستان سمجھتے ہیں۔

"تصنیف کے لحاظ سے "امانت لکھنوی کا ڈراما اندر سبھا" اور سٹیج پر نمائش کے لحاظ سے مداری لال کا کھیل "ماہ منیر" اردو کا سب سے پہلا ڈراما ہے جو عوامی سٹیج پر واجد علی شاہ کی دوسری شادی کے موقع پر جون ۱۸۵۱ء کو کھیلا گیا۔"(۲)

اردو ڈرامے کی پسندیدگی، ترقی وترویج کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ عربی وفارسی ادبیات میں ڈرامے کا وجود ہی نہ تھا۔ اسلامی نظام حکومت میں بھی ڈراما یا نقالی کی کوئی گنجائش موجود نہ تھی۔ جب ہندوستان میں اسلامی مملکت کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ اس وقت سنسکرت زبان اپنی پہچان کھو رہی تھی۔ اسی طرح سنسکرت ڈرامے بھی زوال پذیر تھے۔ مسلمان سنسکرت زبان میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ اردو زبان اپنی جدت اور رنگینی کی وجہ سے پھیلنے لگی۔ مختلف زبانوں کا احاطہ کرنے کی اس میں تمام تر خوبیاں موجود تھیں۔ سرمایہ الفاظ بھی وافر تھے اور اس کا دامن بھی وسیع تر۔ پس "اندر سبھا" لکھ کر اردو کا پہلا بنیادی پتھر رکھ دیا گیا۔ اس ڈرامے نے سٹیج اور اردو ڈرامے کی کمی کو کسی حد تک پورا کیا مگر اس کے باوجود ڈاکٹر قمر اعظم ہاشمی لکھتے ہیں:

"اندر سبھا میں کہانی کا احساس سرے سے ناپید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کردار اور مکالمے کا تصور بھی اس میں بالکل نہیں۔ سب سے زیادہ بلکہ پورا زور رقص وسرود پر صرف کیا گیا ہے۔ قصہ ہے لیکن اس کی اہمیت ضمنی ہے۔"(۳)

'اندر سبھا' اپنے زمانے میں بے حد مقبول ہوئی۔ اسی دور کے اکثر کھیل ہندومالا اور مذہبی روایات پر مبنی تھے۔ ابتدا میں ہندومالا کے قصے بطور تماشا پیش کیے جاتے تھے انھیں دیکھ کر پارسی نوجوان کے دل میں بھی اپنے قومی کارناموں کو سٹیج پر پیش کرنے کا جذبہ پیدا ہوا اور انھوں نے رستم سہراب جیسے قدیم ایرانی قصے پیش کیے یہ سٹیج 'اندر سبھا' کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ مغربی سٹیج کے اثرات اس پر چھائے ہوئے تھے اس سٹیج کے لیے جو ڈرامے لکھے گئے ان کا اولین مقصد تفریح تھا۔ ڈاکٹر عبدالعلیم نامی نے اردو ڈراموں کی تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا دور: ۱۸۵۳ء سے ۱۸۸۵ء

دوسرا دور: ۱۸۸۶ء سے ۱۸۹۵ء

تیسرا دور: ۱۸۹۶ء سے ۱۹۲۰ء

چوتھا دور: ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۰ء

پانچواں دور: ۱۹۳۰ء سے ۱۹۶۰ء(۴)

پہلا دور جو ۱۸۵۳ء سے ۱۸۸۵ء تک بتایا گیا ہے۔ اس دورانیے میں چودہ پندرہ ڈرامانگاروں کے تقریباً پچاس ڈرامے سامنے آئے ہیں۔ ان میں سے ۱۸۸۱ء میں پیش کیا جانے والا مشہور ڈراما "خورشید" اردو کلاسیکی ادب کا شاہکار مانا ہے اور یہ بہرام جی فردون جی مرزبان کی تصنیف ہے۔ اسے امتیاز علی تاج نے مرتب کر کے شائع کر دیا۔ جن دنوں لکھنو میں اندر سبھا کی دھوم بھی ڈھاکہ (بنگال) میں بھی اندر سبھا کی تقلید میں اردو ڈرامے کھیلے جانے لگے۔ مختلف علاقوں سے شعراا اور ادبا کا سیلاب ڈھاکہ امڈ آیا۔

ناٹک ساگر میں لکھا ہے:

> "اس دور کے مشہور ڈراموں میں "سراج الدولہ"، "چندر شیکھر" مشہور رڈرامے تھے۔ بنگال میں ایکٹنگ کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اعلی ذاتوں کے لوگ اس پیشہ کو اختیار کرتے تھے اور بالعموم ایکٹر تعلیم یافتہ اور اچھے چال چلن کے ہوتے تھے۔ ان میں گریجوایٹوں کی تعداد کثرت سے ہوتی تھی کہ دنیا بھر کا کوئی سٹیج بنگالی سٹیج کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔"(۵)

اس کے بعد ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۵ء تک کے دس سالہ دور میں اردو ڈرامے میں مزید ترقی ہوئی۔ ڈرامے پہلے دور سے بڑھ کر تقریباً دوگنا ہو چکے تھے۔ اس طرح ڈرامے کی صنف میں اور بھی ڈراما نگاروں نے قدم رکھا۔ اردو

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

زبان کی وسعت اور آسانی نے ڈراما کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ ان دنوں ڈراموں کا سب سے بڑا مقصد ذہنی آسودگی بہم پہنچانا تھا۔ اس لیے دوسرے موضوعات کی طرف کوئی دھیان بھی نہیں دیتا تھا۔ سنے سنائے قصوں، جن پریوں کی داستانوں اوران کی فرضی بہادری اور جانبازی کے کارناموں اور مشکوک کہانیوں کے ڈرامے اس طرح تیار کیے جاتے تھے کہ وہ سٹیج پر دکھائے جاسکیں۔ اس دور کے ڈراموں میں مشہوراور غیر معروف عاشقانہ قصوں کی سج دھج تھی چونکہ ڈرامے سٹیج پر ہی دکھانے کے لیے لکھے جاتے تھے اس لیے ان کے ادبی پہلوؤں پر کبھی غور نہیں کیاجاتا تھا۔ اس قسم کے ڈراموں میں کبھی کبھی معاشرتی اور سیاسی رنگ بھی نمایاں ہو جاتا تھا لیکن اس میں کوئی گہرائی نہیں ہوتی تھی۔ اس دور کے ڈراما نگاروں میں دھنپ رائے، حسین خان بلبل، مرزاہادی رسوا، رونق بنارسی، طالب بنارسی اور عباس علی مشہور ہوئے اور طالب بنارسی کے ڈراموں میں قتل، نظر، مہابھارت، زہری سانپ، فریب اور محبت وغیرہ مقبول عوام ہوئے۔

ڈراموں کے تیسرے دور ۱۸۹۶ء سے ۱۹۲۰ء میں معروف ڈراما نگاروں، محشر انبالوی، آغاحشر کاشمیری، پنڈت نرائن پرشاد اور لکھنوی معاشرت کے پیروکاروں میں احسن لکھنوی، آرزو لکھنوی، دانش لکھنوی، مراد لکھنوی اور نشتر لکھنوی وغیرہ نے ڈرامے کو عوامی رنگ دیا۔ احسن لکھنوی نے اپنے ڈراموں میں تھوڑی بہت ادبیت پیدا کی ان کے ڈراموں کی زبان بھی فصیح اور بامحاورہ تھی، دلفروش، بھول بھلیاں، بکاؤلی اور چلتا پرزہ ان کے تخلیق کردہ ڈرامے ہیں۔

آغاحشر کاشمیری اس دور کے سب سے بعد میں آنے والوں میں ہیں۔ انھوں نے قصہ کے ساتھ ساتھ ادب اور فن پر بھی بڑی کڑی نظر رکھی لیکن اس کے باوجود بھی وہ کوئی انقلاب انگیز تبدیلی نہ لاسکے۔ آغا نے اپنی ذہانت، فنی بصیرت اور احساس شعور سے ڈراموں میں رنگارنگی تو پیدا کی لیکن تھیٹروں کے مالکوں اور عام لوگوں کے مذاق کے پیش نظر وہ بھی زیادہ آگے نہ بڑھ سکے۔ آغاحشر اپنے ڈراموں میں کبھی فارسی آمیز اور کبھی سنسکرت آمیز ہندی بنالیتے تھے اور کبھی اپنی مخصوص جاندار گفتگو کے ذریعہ اردو ڈراما کو ایک نیاانداز بخش دیتے تھے۔ آغا صاحب کو مرید اشک، امیر حرص ترکی مور، رستم سہراب، شہید ناز، سفید خون، عورت کا پیار، خوب صورت بلا لکھنے میں بڑی شہرت ملی۔

"آغا حشر کاشمیری اردو ڈرامے کے محسن اعظم تھے انھوں نے جس وقت ڈراما کی دنیا میں قدم رکھا اس وقت پڑھے لکھے لوگ اس سے کوسوں بھاگتے تھے۔ آغا حشر نے اس میدان میں قدم رکھتے ہی ڈراما کی دنیا بدل دی۔"(۶)

آغا حشر نے ڈراما میں نئی جوت جگائی ہی تھی کہ تھیٹر سسکنے لگے اور فلموں کا رواج عام ہو گیا۔ آغا صاحب نے لکھنو، پٹنہ، کلکتہ وغیرہ میں اپنی شہرت کے جھنڈے گاڑے۔ ان کے تمام ڈرامے اپنے زمانے کے مشہور ڈرامے تھے مگر آخری دور میں لکھے گئے ڈراموں "یہودی لڑکی" اور "رستم وسہراب" کو فن ڈراما کی معراج کہا جا سکتا ہے۔ بعد میں آنے والے ڈرامانویس امتیاز علی تاج، حکیم احمد شجاع پاشا، مرزا ادیب اور عشرت رحمانی وغیرہ ان سے متاثر ہوئے۔

ملک حسن اختر نے اردو ڈراما کی مختصر تاریخ میں بیان کیا ہے کہ "احمد شجاع پاشا نے آغا حشر کی تقلید میں کئی ڈرامے لکھے ان کا مشہور ڈراما "باپ کا گناہ" ہے۔ انھوں نے ریڈیو، ٹیلی وژن، سٹیج کے لیے ڈرامے لکھے اور ان کی کہانیاں بعد میں فلموں کی صورت میں بھی آئیں۔"(۷)

اصلاحی مقصد کے تحت عبدالماجد دریا آبادی کا ڈراما "زود پشیماں" پنڈت برجموہن کیفی کا "حراری دادا" اور ڈاکٹر عابد حسین کا "پردہ غفلت" بھی کافی اہمیت کے حامل ڈرامے تھے۔ اسی دوران امتیاز علی تاج نے مشہور زمانہ ڈراما "انار کلی" لکھا۔ اس میں مشرق و مغرب کے رنگ ملتے نظر آئے۔ مکالمہ کی برجستگی، زبان کی ملائمت، موضوع اور مقصد کی ہم آہنگی اور ادبی حسن و جمال کے اعتبار سے یہ ڈراما اہم ہے۔ امتیاز علی تاج نے رومان کے دلکش سایوں کو مغل عظمت اور جبروت کی دھوپ میں جس طرح گوندھا ہے اس نے اسے اور بھی پر جمال بنا دیا ہے اور پھر جس من بھاتے انداز میں پیش کیا گیا ہے وہ اپنا حسن آپ ہے۔ انار کلی کی زبان و بیان کا معترف ایک زمانہ ہے۔ تاج ایک سنجیدہ ڈراما نگا بھی نہیں بلکہ پر وقار مزاح نگار بھی تھے۔ انھوں نے چچا چھکن کے کردار سے مزاح کے چشمے نکال دیے جیسے پڑھتے جایئے اور ہنسے جایئے مزاح نگاری میں بھی انھوں نے کئی ڈرامے لکھ کر قارئین کے لبوں پر مسکراہٹیں بکھیر دیں۔ "اردو ادب میں طنز و مزاح" کے کے اور مشہور نقاد ڈاکٹر وزیر آغا نے درست کہا ہے "اردو ادب میں امتیاز علی تاج کئی حیثیتوں سے زندہ رہیں گے لیکن اگر کسی وجہ سے ان کی دوسری حیثیتیں ماند پڑ جائیں تو بھی "چچا چھکن" کے حوالے سے زندہ جاوید رہیں گے اور زمانے کی گردش ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ چچا چھکن ایک انگریز مصنف

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

جیروم۔کے جیروم کی کتاب "Three men in a boat" کے ایک کردار انکل پوجر کا چربہ ہے مگر تاج نے اسے مقامی رنگ دے کر اصل سے بھی زیادہ شوخ رنگ عطا کیا ہے"(۸)

۱۹۴۷ء کے بعد ہمارے ہاں ڈراما لکھنے والے اکادکا تھے اس لیے اردو ڈرامے تعداد میں انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ سٹیج ڈرامے لاہور،راولپنڈی، کراچی اور پشاور میں پیش ہوتے رہے۔ راولپنڈی میں لٹل تھیٹر نے سٹیج ڈراموں میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اس سٹیج میں عصمت چغتائی کا"شامت اعمال" اشفاق احمد کا "ٹاہلی دے تھلے" آغا بابر کا ڈرما"مسخرے دی موڑ" امتیاز علی تاج کا"کمرہ نمبر ۵" پیش ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور کے اساتذہ،انتظامیہ اور طالب علموں نے ڈرامے کی روایت کو زندہ رکھا لیکن پہلے پہل یہاں سے انگریزی ڈرامے سٹیج ہوئے اور بعد میں اردو ڈراموں نے اپنی جگہ بنائی۔ یہاں اردو میں پہلا ڈراما"یہ کھیل ایک یتیم کا" پیش ہوا جیسے صوفی تبسم نے پیش کیا۔ صفدر میر نے گورنمنٹ کالج لاہور میں اردو تھیٹر کو قائم کیا۔ صفدر میر خود بھی ایک بہترین اداکار تھے انھوں نے بے شمار ڈراموں کی ہدایات دیں۔میر صاحب کا یہ سلسلہ ۱۹۵۶ء تک قائم رہا اس طرح گورنمنٹ کالج لاہور نے پاکستان میں ڈراما کی پیش کش میں سرخیل کا کردار کیا۔

عوام میں سٹیج اور ریڈیو پر ڈراما تو پہلے بھی دکھایا جارہا تھا لیکن ٹیلی وژن سکرین کا ڈراما عوام میں بڑی مقبولیت حاصل کر گیا اور لوگ اس ایجاد کو حیران کن سمجھنے لگے اس کی پیداوار میں اضافہ ہونے لگا۔ مختلف تجرباتی ٹیلی وژن اسٹیشنوں نے اپنے پروگرام ٹیلی کاسٹ کرنے شروع کر دیتے لیکن ڈرامے کی صنف کو عوام نے بہت سراہا اس طرح ڈرامے کی مقبولیت کے پیش نظر ہر ٹیلی وژن مرکز نے ٹیلی ڈراما تیار کرنے کی کوششیں تیز کر دیں۔

پاکستانی ٹیلی وژن نے بھی ۲۶ نومبر ۱۹۶۴ء میں لاہور سے اپنی نشریات کا آغاز کیا۔ دسمبر ۱۹۶۸ء میں ایک اور مستقل اور زیادہ طاقت ور ٹرانسمیٹر لگا کر لاہور سینٹر کی نشریات کو زیادہ آبادی اور علاقہ تک پہنچادیا گیا اور اس وقت ۴۰ ملین افراد اس ٹی وی سینٹر کی نشریات دیکھ سکتے ہیں۔(۹)

۱۹۶۷ء میں اسلام آباد میں چکلالہ کی ایک چھوٹی سی عمارت میں پی ٹی وی سینٹر قائم کیا گیا جسے ۱۹۶۹ء میں مری کی پہاڑیوں پر سات ہزار فٹ بلند ٹرانسمیٹر لگا کر نشریاتی دائرے کو وسعت دی گئی جس سے پی ٹی وی نشریات ۲ ۳ملین آبادی تک پہنچے لگیں۔ ۱۹۷۴ء میں ہی کراچی پی ٹی وی سینٹر نے بھی کام شروع کیا۔اس کی نشریات بیرون ملک بھی دکھائی جاسکتی تھیں۔ ۱۹۶۴ء میں پشاور اور کوئٹہ مرکز پر بھی پاکستان ٹیلی وژن سینٹر قائم کیے گئے۔ ان تمام

ٹی وی مراکز نے ڈرامے، موسیقی، حالات حاضرہ، خبریں، مذاکرے، طنز و مزاح کے بہترین پروگرام پیش کیے اور ملک گیر شہرت حاصل کی۔

جب پاکستان میں نیا نیا ٹیلی وژن شروع ہوا تو کوشش یہ تھی کہ ٹیلی وژن بچوں کی تربیت پر زور دے گا۔ ریڈیو ڈراموں کی ناکامی کو ٹیلی ڈرامے کی صورت پروان چڑھایا جائے گا۔ ٹیلی وژن نے ہر شعبہ زندگی کے بھرپور عکاسی پیش کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

ٹیلی وژن کے ڈرامے سب سے زیادہ دیکھے جاتے ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ ایسے ڈرامے پیش کیے جائیں جو ایک وقت میں گھر کے تمام افراد کے یکساں دلچسپی کے ساتھ دیکھ سکیں۔ ٹیلی وژن کے پروڈیوسر اور ادیب کو ناظرین کے اجتماعی شعور کے ساتھ ساتھ انفرادی شعوری نفسیات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ احمد سہیل لکھتے ہیں:

> "پی ٹی وی نشریات سے پہلے لکھنے والوں کو یہ شکوہ تھا کہ ان کی تخلیقات کو وہ پذیرائی نہیں مل رہی جو ملنی چاہیے۔ ابلاغ عامہ میں ریڈیو ہی واحد ذریعہ لیکن وہاں ادب کا اظہار وسیع تر پیمانے میں یا موثر انداز میں پیش کرنا ممکن نہیں تھا۔ پاکستان ٹیلی وژن نے نہ صرف یہ مسئلہ حل کیا بلکہ لکھاریوں کی تخلیقات کو بام عروج تک پہنچایا۔"(۱۰)

ٹیلی وژن کے مصنفین نے افسانوں اور ناولوں کو ٹی وی سکرین پر پیش کیا جو بہت مقبول ہوئے اس میڈیے کی بدولت عصری آگہی حاصل ہوئی۔ ماضی کے واقعات کو دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں ناظرین تک پہنچایا گیا۔ پڑھے لکھے افراد اس سے وابستہ ہونے لگے۔ ٹیلی وژن کی مقبولیت کا سبب صرف ایک پروگرام ہے جسے سب سے زیادہ دیکھا جاتا ہے اور وہ ہے "ڈراما"۔ ڈرامے کی صنف کتابی شکل سے نکل کر صوت و آہنگ کی دنیا میں داخل ہوئی وہ ہزار ہا ڈرامے جو لائبریریوں کی کتابوں میں خاموش پڑے تھے سب کے سب بول پڑے۔ فلم بین کی ایک بڑی تعداد ٹیلی بین بنتی چلی گئی۔ ڈراما ناظر کو سنیما ہال سے بیڈ روم تک محدود کر دیا پس یہی وجہ ہے کہ ڈراما ٹیلی وژن پروگراموں میں ایک خاص اہمیت اور مقبولیت اختیار کر گیا۔

پی ٹی وی کے شہرت یافتہ ڈراموں میں "خدا کی بستی"، "ان کہی"، "تنہائیاں"، "آنگن ٹیڑھا"، "ففٹی ففٹی"، "سٹوڈیو ڈھائی"، "اندھیرا اجالا"، "سونا چاندی"، "انکل عرفی"، "تعلیم بالغاں"، "الف نون"، "وارث"، "دھوپ کنارے"، "سنہرے دن"، "الفا براؤ وچارلی"، "انا"، "آخری چٹان"، "دریا"، "ہزاروں راستے"، "من چلے کا سودا"، "تکون"، "حیرت کدہ"، "جھوک سیال"، "الف لیلیٰ"، "دہلیز"، "تماثیل"، "خواجہ اینڈ سن"، "وفا کے

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

پیکر"، "عینک والا جن"، "پر میشر سنگھ"، "میجر عزیز بھٹی"، "کاجل گھر" وغیرہ شامل ہیں۔ موضوعاتی اعتبار سے پی ٹی وی کے کئی ڈرامے بار بار نشر کیے گئے۔ "خدا کی بستی"، "ان کہی"، "دھوپ کنارے"، "عینک والا جن"، "تنہائیاں"، "الفابراوچارلی"، "الف نون"، "تعلیم بالغاں"، "پرچھائیاں"، "وارث" وغیرہ وہ مقبول ٹی وی ڈرامے ہیں جو اپنی غیر معمولی مقبولیت کے پیش نظر دوبارہ ٹیلی کاسٹ ہوئے۔ ذیل کی سطور میں پاکستان ٹیلی وژن کے منتخب ڈراموں کا موضوعاتی مطالعہ اور ان کی پیش کش کا جائزہ لیا گیا ہے۔

"مراۃ العروس" لاہور مرکز کی پیش کش تھی۔ یہ ڈپٹی نذیر احمد کے ناول "مراۃ العروس" کی ڈرامائی تشکیل پروفیسر حق نواز نے کی جو ۱۹۸۸ء میں نشر ہوا اس میں اکبری کا کردار ارسہ غزل اور "اصغری" کا کردار عارفہ صدیقی نے ادا کیا۔ یہ ایک اصلاحی کہانی ہے جس میں بڑی بہن "اکبری" کو نانی کے بے جا پیار اور لاڈ نے ایسا بگاڑا کہ وہ بچپن سے لے کر اپنی شادی شدہ زندگی میں بھی بد مزاج، تند خو اور فضول خرچ رہتی ہے اور اپنے سسرال سے الگ ہونے کے باوجود ناکام زندگی گزارتی ہے۔ اس کے برعکس چھوٹی بہن "اصغری" (عارفہ صدیقی) ایک سلیقہ شعار، سگھڑ اور تربیت یافتہ ہونے کے باعث سسرالیوں کی آنکھ کا تارا بن جاتی ہے۔ اصغری کی خوبیوں کو ڈپٹی نذیر احمد نے کچھ یوں بیان کیا:

> "یہ لڑکی اپنی ماں کے گھر ایسی تھی جیسے گلاب کا پھول یا آدمی کے جسم میں آنکھ ہر ایک طرح کا ہنر، ہر ایک طور کا سلیقہ اسے حاصل تھا۔ دانائی، ہوشیاری، ادب، قاعدہ، غربت، نیک دلی، ملن ساری، خدا ترستی، حیا، لحاظ، سب صفتیں خدا نے اصغری کو عنایت کی تھیں۔ لڑکپن سے اسے کھیل کود، ہنسی اور چھیڑ سے نفرت تھی۔ پڑھنا یا گھر کا کام کرنا۔ کبھی اس کو واہیات بکتے یا کیسی سے لڑتے نہیں دیکھا۔ محلے کی جتنی عورتیں تھیں سب اس کو بیٹی کی طرح چاہتی تھیں بے شک زہے قسمت اس ماں اور باپ کی کہ جن کی بیٹی اصغری تھی اور خوشا نصیب اس گھر کے جس میں اصغری بہو بن کر جانے والی تھی۔"[۱۱]

"توتا کہانی" یہ ۱۳ اقساط پر مشتمل اشفاق احمد کی تحریر تھی جسے ساحرہ کاظمی نے لاہور مرکز سے پیش کیا۔ یہ اردو کی سب سے زیادہ پسند کی جانے والی ڈراما سیریز تھی۔ اس کھیل کی ہر کہانی میں اشفاق احمد نے انسان کی محبت، شفقت، صبر و تحمل، قناعت، درگزر جیسے سبق پڑھانے کی کوشش کی یہ کہانیاں انسانی آئینہ ہیں جنھیں دیکھ کر

وہ اپنے گریبان میں جھانکتا ہے۔ڈرامے کی ایک کہانی میں ڈاکٹر باپ اپنے بیٹے کو عورت کا احترام اور انسان کی عزت نفس کو بڑے فلسفیانہ انداز میں یوں سمجھاتا ہے:

ڈاکٹر: ایک بات یاد رکھنا بیٹے اپنے شریک سفر کی کوئی خوبی بیان نہ کرنا کبھی۔صرف اس کا احترام کرنا۔ Manners کے طور پر، کرسی چھوڑ کر یا آگے بڑھ کر سچ مچ کا احترام، دل کی گہرائی سے حقیقت آشنائی سے، سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے۔

منصور: احترام تو ہمیشہ دو طرفہ ہوتا ہے ابا جی۔

ڈاکٹر: نہ، ہرگز نہیں، بالکل نہیں، احترام تو ہوتا ہی یک طرفہ ہے (ہنس کر) جس طرح وفا یک طرفہ ہوتی ہے ہمیشہ بے وفا سے ہی کی جاتی ہے۔ایسے ہی احترام ہے۔

"صبح خاکروب سڑکیں، جھاڑتے ہیں تو گرد کا اونچا ستون کھڑا ہو جاتا ہے۔ دھول کی لمبی سی فصیل اگر تم جیب سے رومال نکال کر ناک پر رکھو گے تو خاکروب سے اس کی عزت نفس چھین لو گے اسے احترام سے محروم کردو گے۔"(۱۲)

سانول موڑ مہاراں تحریر بانو قدسیہ، ہدایت کار محمد نثار حسین تھے جو لاہور مرکز کی پیشکش تھی۔ عظمی گیلانی، صبا حمید، ثمینہ احمد، وسیم عباس، نعیم طاہر اس کہانی کے اہم کردار تھے۔بانو قدسیہ نے مجازی خدا (شوہر) کو سانول کا نام دیا جو جب چاہے عورت پر اپنی اجارہ داری دکھائے، وہ عورت بچے کے جنم کی تکلیف برداشت کرتی ہے جو اپنے خون سے اولاد کو سینچتی ہے۔ اپنے بچوں کی دیکھ بھال میں اپنے وجود کو بھلا دیتی ہے لیکن مرد جب چاہتا ہے عورت کو اولاد کے سامنے ذلیل کر کے رکھ دیتا ہے اور اولاد پر اپنا حق اور دعویٰ زیادہ جتاتا ہے۔ڈرامے میں اہم بات یہ ہے کہ عورت مرکزی کردار نہ ہونے کے باوجود مرکزی کردار ادا کرتی ہے اور مرد اولاد پر زیادہ دعویٰ دار ہونے اور ڈرامے کا مرکزی کردار ہونے کے باوجود اپنا حق ادا نہیں کرتا۔

کھیل تکون ۱۹۸۵ء میں لاہور ٹیلی وژن پر نشر ہوا۔ رحمن مذنب نے اس کہانی میں لکھا ہے کہ خاندان میں کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کو ترقی کرتا نہیں دیکھ سکتے اور حسد کی آگ میں جلتے رہتے ہیں اور تخریب کاری سے بھی نہیں چوکتے ان کی نظر جائیداد پر ہوتی ہے اور وہ اپنے قریبی رشتوں کو بھلا دیتے ہیں، کھیل میں عورت بڑی چالاکی اور مکاری سے مرد کو اپنے جال میں پھنسا لیتی ہے۔ ڈرامے میں سٹیٹس ریٹرن بہن کو، دردمند، ہمدرد اور فلاحی سوچ والی دکھایا گیا ہے۔ڈرامے کے ایک منظر میں:

ریحانہ: تمھارے پروفیشن میں پیسہ ہی پیسہ ہے تو کیا گھر آئے پیسہ کو ٹھکرا دو گی؟

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

سلطانہ: شاید اتنا پیسہ میرے پاس نہ آئے جتنا آپ پلین (Plan) کرتی ہیں۔ مجھے کیا پڑی کہ پیسے کو ٹھکراؤں لیکن پیسے کے پیچھے پیچھے بھاگوں گی نہیں۔

ریحانہ: تو کیا مفت علاج کرو گی؟

سلطانہ: میں صرف پیسے کے پیچھے نہیں بھاگوں گی۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں اس مریض کا علاج نہیں کروں گی جس کے پاس پیسے نہیں ہوں گے، میں اس مریض کا علاج بھی کروں گی جس کے پاس پیسے نہیں ہوں گے جو فٹ پاتھ پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہو گا۔ مجھے پہلے مریض سے غرض ہے اس کے بعد پیسے سے۔

ریحانہ: پھر پڑ گئی پوری؟(۱۳)

اندھیرا اجالا، یونس جاوید کی تحریر ہے یہ ڈراما ۱۹۸۴ء کو لاہور مرکز پر نشر ہوا اس کی ہدایات راشد ڈار نے دیں۔ اس ڈرامے کی کل اکسٹھ اقساط تھیں۔ اندھیرا اجالا سیریز میں معاشرتی منفی پہلوؤں، خامیوں، ناکامیوں، خرابیوں اور جرائم کو اندھیرا کانام دیا گیا اور اس کے برعکس معاشرے میں خیر، بھلائی، نیکی، محبت، ہمدردی، دردمندی، انس و محبت جیسے کرداروں کو اجالا کہا ہے۔ مصنف یونس جاوید نے اس سیریز میں معاشرے کی سچی کہانیوں کو شامل کیا ہے بلکہ یہاں تک کہ مصنف نے لاہور کے تمام تھانوں میں موجود ایف آئی آر پر مبنی سچی رپورٹوں کو کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کیا ہے۔ یونس جاوید نے لکھا ہے کہ "جب ایف آئی آر کی سچی کہانیوں کو ٹیلی وژن پر نشر کیا گیا تو مصنف ہدایت کار کو جاگیر دارانہ نظام کے پروردہ افراد نے دھمکیاں بھی دیں۔ ان کی یا ان کے خاندان کے ماضی کی کہانیاں دکھانے پر اعتراض کیا گیا۔ مصنف ہدایت کار اور ان کی ٹیم کو قانونی تحفظ کی آڑ میں ان کہانیوں کو نشر کیا گیا۔"(۱۴)

امجد اسلام امجد کی معروف ڈراما سیریل "وارث" ۱۹۷۹ء کو لاہور مرکز میں پیش کیا گیا جس کی ہدایات نصرت ٹھاکر نے دیں۔ اس کھیل کو عوامی جمہوریہ چین، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کینیڈا اور جزائر الہند کے کئی ٹی وی چینلز پر دکھایا گیا اس کھیل کا مرکزی خیال یہ تھا کہ پاکستان میں صدیوں سے رائج جاگیر دارانہ مظالم اور ان کے غیر انسانی رویوں کو عوام تک پہنچایا جائے۔ عوام کو بیدار کیا جائے اور ان کو ان کے حقوق سے روشناس کرایا جائے اس ڈرامے کا مرکزی کردار "چوہدری حشمت" تھا جسے محبوب عالم نے بڑی کمال خوبصورتی سے نبھایا۔ چوہدری حشمت ظلم اور بربریت کا استعارہ تھا اور جرائم پیشہ افراد کے لیے پناہ گیر معاشی استحصال کا علمبردار، نسلی تعصب اور

سیاسی بدمعاشی کا نمائندہ بھی تھا۔ ملکی قوانین کی دھجیاں کس طرح ادھیڑتا ہے ڈرامے کے ایک ڈائیلاگ میں وہ اپنے بیٹے سے بڑے رعونت بھرے لہجے میں کہتا ہے۔

> "ساری لغت ان زرعی اصطلاحات کی ہے پتر انور۔۔ زمین بچانے کے لیے بہت سارے چکر کرنا پڑتے ہیں۔ پر اللہ کے فضل سے دو سیم اور تھور کے مارے مربعوں کے سوا ایک کلہ زمین میں نے حکومت کو نہیں دی۔ اخے ہم ملخ سے جاگیرداری نظام کا خاتمہ کر دیں گے!!! ان کے پیو کا راج ہے۔"(۱۵)

اسی طرح ڈرامے کے ایک منظر میں شیر محمد (سجاد کشور) جو ایک محب وطن شہری تھا۔ (چوہدری حشمت نے اسے ۲۰ سال سے نجی جیل میں قید کر رکھا ہے۔) نے چوہدری کے بارے میں کہا:

> "چوہدری حشمت کو انسان مت کہو........... وہ بھیڑیا ہے اسے اپنی زمینوں کے علاوہ کسی کی پرواہ نہیں۔ زمینوں کے لیے اس نے، اس کے بزرگوں نے انگریزوں کی خدمت کی ہے۔ ان کے لیے جنگوں میں سپاہی بھرتی کرائے ہیں........... ماؤں سے ان کے بچے چھینے........... عورتوں سے ان کا سہاگ چھینا ہے۔"(۱۶)

پاکستان ٹیلی وژن کے مختلف مراکز نے اردو ٹیلی ڈرامے کو پروان چڑھایا یہی وجہ ہے کہ پاکستان ٹیلی وژن کے سب سے زیادہ ڈراما ناظرین ہیں۔ ڈراما پروڈکشن میں پی ٹی وی کا کوئی ثانی نہیں۔ ۲۰۰۰ء کے بعد پرائیویٹ پروڈکشن نے بھی بہت زیادہ ڈرامے پیش کیے لیکن پی ٹی وی ڈرامے کی دینا میں اپنا نام بنا چکا ہے ماضی میں ان ڈراموں کو خاصی شہرت ملی اور انھیں دلچسپی سے دیکھا گیا۔ ان ڈراموں کی شہرت میں سب سے بڑا کردار کہانی کا ہوتا ہے جو معاشرتی موضوعات کا انتخاب کرتا ہے۔ اس کے بعد ڈرامے کے ہدایت کار، پیش کار اور اداکار مل کر اس کو مقبول بنا دیتے ہیں۔ ان کہانی کاروں میں چند ایسے ڈراما نگار ہیں جنھوں نے قیام پاکستان کے بعد ڈراما لکھنے اور اسے پیش کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ان کا مختصر تعارف بھی ضروری ہے۔

عشرت رحمانی نے ڈرامے کے موضوع پر چند نادر کتابیں تصنیف کیں ڈرامے کی تاریخ کو تنقید کو ایجاز و اختصار سے سمیٹا۔ پی ٹی وی کے ابتدائی عشرے میں ٹی وی کے لیے "نیا سویرا" کالا سورج، لال قلعہ کی شام، یہ تیرا بیان غالب، جیسے کو تیسا، نیک پروین، محفل اور ہنسی ہنسی میں جیسے ڈرامے لکھے۔

رحمن مذنب نے آزادی سے پہلے بھی لکھااور آزادی کے بعد بھی لکھا۔ کڑوارس، جہاں آرا، اندھی مالن، عمر خیام، کانچ کے پتلے ان کے مشہور ڈرامے ہیں۔

میرزاادیب کے موضوعات میں محبت، جذبات اور رومانوی لطافت ہے۔اپنا اپناراگ، فصیل شب، ستون، آنسو اور ستارے ان کے مشہور ڈرامے ہیں۔

اشفاق احمد نے ڈرامے میں انسانی جذبات اور روحانیت کو بیدا کیاہے۔ ان کے ڈراموں میں فلسفہ و فکر، سوچ بچار کے پہلو نمایاں ہیں۔ ان کے مشہور ٹیلی ڈراموں میں پھول والوں کی سیر ، گوشہ نشین، تلقین شاہ، اللہ کے پیارے، گل فروش، بھرم، تلاش وجود، فہمیدہ کی کہانی، قائد اعظم، ننگے پاؤں، سراغ زندگی، من چلے کا سودا، متاع غرور، یقین، محفوظ ماموں، توتا کہانی، دل اور دیوار، برگ آرزو، بند گلی، ایک محبت سو افسانے جیسی کہانیوں نے انھیں شہرت کی بلندیوں پر پہنچادیا۔

انتظار حسین نے بھی اشفاق احمد کی طرح اپنے ڈراموں میں فلسفہ کا عنصر شامل کیا۔ خوابوں کے مسافر، درد کی دوا کیاہے، دھوپ، نیاگھر، سدا بہار، وبال جان، دفتری بابو، قید تنہائی، دکھی لوگ محل والے، بڑی حقیقت کی زبان میں لکھے۔

رفیع پیرزادہ کو ڈرامے کی دنیا کا سادھو کہتے ہیں۔ اشفاق احمد نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ ڈراما ان کے اندر بولتاہے۔ ان کے لہجے میں انفرادیت تھی۔ راز و نیاز، اوتار، نقاب، ساحل، بلیک آؤٹ، حساب بے باک، دو اور دو چار، میزبان، پرچھائیاں، آزمائش کی گھڑیاں ان کے مشہور ڈرامے ہیں۔

بانو قدسیہ کا اپنا ایک مخصوص رنگ ہے جو دل میں اتر کر روح کو بھی گلزار کر دیتاہے۔ ان کے بہت سارے ڈراموں نے کتابی صورت پائی اور ٹیلی وژن پر بھی پیش کیے گئے جن میں، تماثیل، نیادور، انوکھا گھاٹ، حاصل ضرب، ایک تھی لڑکی، چٹان پار، گھونسلا، آنکھ مچولی، جاگتے رہو، رات گئی، دوسرا قدم، علی بابا اور قاسم بھائی، اچھے دن کا انتظار، ریت کی جھاگ، دن ڈھلے، وفا، لب پہ آتی ہے یہ دعا، پینگ، کردار، یہ جنون، کوئی تو ہو، ضرب، جمع تقسیم، زمرد گلاب، شکائتیں حکائیتں، انجانے میں، کھل جا سم سم اور آدھی بات نے بڑی شہرت پائی۔

کمال احمد رضوی نے بھی ڈرامے کے فروغ میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ کمال احمد رضوی بیک وقت ڈرامانگار، ہدایت کار اور اداکار بھی تھے۔ شادی خانہ آبادی، نہلے پہ دہلا، ڈرتاہوں آئینے سے، ہم سب چور ہیں، تانے بانے، چیک کوٹ، خلش، میں اور میری بیوی، اندھیرے اجالے، رات کا جادو، ہزاروں خواہشیں ایسی، گھر

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

کا سکون، پناہ، سوال، رابعہ، ہم سب پاگل ہیں، کسی کی بیوی کس کا شوہر، ایک بیوی کا سوال، میرا ہمدم میرا دوست، الف اور نون ان کے مشہور ڈرامے ہیں جنھیں انھوں نے خود لکھا اور اداکاری بھی کی۔

امجد اسلام امجد نے لاہور ٹیلی وژن سنٹر سے اپنے ڈراموں کا آغاز کیا پاکستانی اردو ڈرامے کی دنیا میں انھوں نے انقلاب برپا کر دیا۔ انھوں نے معاشرے کی خرابیاں، جاگیر داری نظام اور دیہاتی شہری زندگی کا موازنہ خوب صورت انداز میں پیش کیا آج کل بھی ٹی وی ڈراما لکھنے میں مصروف ہیں ان کے ڈرامے عوام میں بے حد مقبول ہوتے ہیں۔ وارث، دہلیز، رات، وقت، فشار، اینڈھن، سمندر، احساس زیاں، الٹی چھری، قافلہ سخت جاں، اپنے حصے کا بوجھ، نظام لوہار، غیروں سے کہا تم نے، ادھر ادھر سے، بازگشت، تسلسل، دکھوں کی چادر، اپنے، لیکن دھند کے اس پار، شام سے پہلے، گھنٹی، گستاخی معاف، چاچا عبد الباقی، کن رس، طالع مند کی پریشانیاں، اہل نظر، ساون روپ، آئینے، بازدید، ابھی تو میں جوان ہوں، آئینے، دن، لفظ آئینہ ہے، آخری گھنٹی، نمک دان، جیسے ڈراموں سے انھوں نے شہرت پائی۔

اصغر ندیم سید کے ڈرامے حقیقت کے قریب ہوتے ہیں۔ علاقائی مسائل کو اجاگر کرنے میں اصغر کا مقابل کوئی نہیں۔ اصغر ندیم سید کے ڈراموں میں آسمان، پیاس، خواہش، چھاؤں، موسم گل، احساس، جوڑ توڑ، ستارہ اور سمندر، غازی علم الدین شہید، ملنگی، سورج کو ذرا دیکھ، چاند رات کو چاندنی ملی، حساب دوستاں، نشیب و فراز، لازوال، سارا اور عمارا، ملکہ عالیہ، ایک اور دریا کا سامنا، دریچے، لگان، حصار، قطار، الاؤ، دریا، شناخت، دستک، ہم زندہ قوم ہیں، میں اک دریا کے پار اترا، تھوڑی سی روشنی، دیا جلائے رکھنا، میجر عزیز بھٹی شامل ہیں۔

منو بھائی نے سنجیدہ موضوعات کو بڑی سنجیدگی سے لیا اور اسی طرح مزاح کو محبت سے پیش کیا۔ جزیرہ، عجائب گھر، جھوک سیال، پ سے پہاڑ، خاموش وادی، جھیل، یہ کہانی نہیں ہے، جھوٹے، گرداب، رونمائی، خوش آمدید، دروازہ، ساحل، آدھے چہرے، ڈیڈ لائن، گھر سے نکلے، آئینہ اور گھڑی، گمشدہ، خوب صورت، سونا چاندی، منو بھائی کے مشہور ڈرامے ہیں۔ ان میں کچھ ڈرامے طویل دورانیے کے خصوصی کھیل ہیں اور کچھ مزاح کے موضوع پر لکھے گئے ہیں۔

ڈاکٹر انور سجاد لاہور ٹیلی وژن کے ممتاز اور مقبول ڈراما نگار ہیں۔ معاشرے کی خرابیوں کی نشاندہی بڑے منجھے ہوئے انداز میں کرتے ہیں۔ خواب جزیرے، ایک تھی ملکہ، اجنبی، وطن کی آبرو، ایک حکایت، رسی کی زنجیر، صبح، شام، بیٹی، رشتے، معاف کیجیے، چمکی، فرد جرم، بال و پر، ابھی وقت ہے، پہلی سی محبت ان کی پہچان ہے۔

یونس جاوید پی ٹی وی لاہور مرکز کے معروف ڈراما نگار ہیں۔ لاہور مرکز کا ڈراما ان کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔ ان کے لفظوں میں طاقت اور کہانی میں حقیقت ہوتی ہے۔ یونس جاوید نے لاہور مرکز کے لیے ستر کی دہائی سے لکھنا شروع کیا۔ سیدھا راستہ، دھوپ دیوار، ذرا نم ہو، کانچ کا پل، گوہر نایاب، عہد وفا، وادی پر خار، اندھیرا اجالا، رنجش، آنکھ مچولی، ہوا، دیار عشق، رگوں میں اندھیرا، عشق سے تیرا وجود، مسکن، زادرہ، پت جھڑ، تکمیل، ایک محبت کی کہانی، نیا آدمی ان کے معروف ڈرامے ہیں۔

ڈاکٹر طارق عزیز نے پاکستان ٹیلی وژن لاہور کے لیے بے شمار انفرادی، خصوصی، ڈراما سیریلز اور سیریز لکھیں۔ پختہ تحریر کے مالک ہیں۔ بسیرا، ٹھاہر، نونہال، پنجرہ، آنکھ اوجھل، سکڑتا ہوا آدمی، زہر باد، کانگ، اکھڑ، علی بابا، جنون، دوپٹہ، جگنو، پتلیاں، اپنے اپنے محاذ پر، کار جہاں دراز ہے ان کے مشہور ڈرامے ہیں۔

عطاء الحق قاسمی معروف کالم نگار، شاعر، ادیب اور ڈراما نگار ہیں اور پی ٹی وی کے چیئر مین رہے۔ لاہور مرکز کے ڈراموں میں خواجہ اینڈ سن، شب دیگ، آپ کا خادم، حویلی، فریش کانفرنس شامل ہیں۔ سنجیدہ تحریر کے ساتھ ساتھ مزاح نگاری میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں۔ [۱۷]

وقت کے ساتھ ساتھ ڈرامے کی ترقی و ترویج کا سلسلہ جاری ہے یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ پاکستان ٹیلی وژن کے ساتھ ساتھ مختلف پرائیویٹ چینلز بھی ڈرامے کی صنف کو پروان چڑھانے میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان پرائیوٹ چینلز میں ہم ٹی وی، اے آر وائی اور جیو، ٹی وی پیش پیش ہیں۔ دنیا ایک سماج ہے۔ سماج میں کہانی جنم لیتی رہے گی اور ڈرامے میں ڈھلتی رہے گی اس طرح یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ڈراما انسانی وجود کے ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ اسلم قریشی، ڈاکٹر، برصغیر کا ڈراما، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۲

۲۔ ایضاً، ص ۱۳۳

۳۔ محمد اعظم ہاشمی، ڈاکٹر، اردو ڈراما نگاری، بک امپوریم، پٹنہ، بہار، ۱۹۸۲ء، ص ۲۴

۴۔ عبدالعلیم نامی، ڈاکٹر، اردو تھیٹر (جلد اول)، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۲۶ء، ص ۲۳

۵۔ نور الٰہی / محمد عمر، ناٹک ساگر، لکھنو، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص ۳

۶۔ پروفیسر حفیظ الرحمان، تعارف، کاروان ادب، ملتان، س۔ن، ص ۱۴۵

۷۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر، اردو ڈراما کی مختصر تاریخ، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۰ء، ص ۸۷
۸۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۷۹
۹۔ منیر احمد، پاکستان ٹیلی وژن کے ۲۵ سال، میڈیا ہوم، پی او بکس نمبر ۲۱۹۹، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء، ص ۲۰۴
۱۰۔ احمد سہیل، جدید تھیٹر، ادارہ ثقافت پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، ص ۳۷
۱۱۔ ڈپٹی نذیر احمد، مراۃ العروس، فیروز سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۸۴
۱۲۔ اشفاق احمد، توتا کہانی (ڈرامے)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵، ۱۴
۱۳۔ رحمان مذنب، ڈراما، سکرپٹ، قسط نمبر ۷، منظر ۱، ص ۱۹۸۵، ۶ء
۱۴۔ یونس جاوید، اندھیرا اجالا، اظہار سنز اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۶ء، دیباچہ
۱۵۔ امجد اسلام امجد، وارث (ڈراما)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، قسط نمبر ۲۱، منظر ۱۲، ص ۴۴۷
۱۶۔ ایضاً، قسط نمبر ۱۳، منظر نمبر ۴، ص ۲۵۱
۱۷۔ پی ٹی وی ڈراما سٹاک لسٹ، (۱۹۶۵ء تا ۲۰۰۳ء)، لاہور ٹیلی وژن مرکز